کرشن چندر کی افسانہ نگاری

(اہمیت و افادیت)

ڈاکٹر ریش پال شرما

گورنمنٹ ڈگری کالج فار وومن کٹھوعہ (جموں و کشمیر)

جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ ہیں

(نوٹ) یہ کتاب گورنمنٹ ڈگری کالج فار وومن کٹھوعہ
(جموں وکشمیر) کے مالی تعاون سے شائع کی جارہی ہے۔)

KRISHAN CHANDAR KI AFSANA NIGARI
(AHMIYAT-O- AFADIYAT)
Compiled by Dr. Yash Paul Sharma

Year of Edition 2019
ISBN : 978-93-83030-46-0
` 200/-

کتاب کا نام	:	کرشن چندر کی افسانہ نگاری (اہمیت وافادیت)
مرتب	:	ڈاکٹر یش پال شرما
سنِ اشاعت	:	۲۰۱۹ء
تعداد	:	۳۰۰
کمپوزنگ	:	مسعود احمد
قیمت	:	۲۰۰ روپے
مطبع	:	نیو اسٹائل آرٹ پرنٹرس، جموں

ملنے کا پتہ:
- گورنمنٹ ڈگری کالج وومن کٹھوعہ
- قاسمی کتب خانہ، جموں

Published by
QASMI KUTUB KHANA
Talab Khatikan, Jamia Masjid, Jammu Tawi 180001
Ph. 9797352280 | 7889903800
E-Mail: qasmikutubkhana0729@gmail.com

5/27/22

فہرست

نظم ''ماں''	ڈاکٹر کے۔سی شرما	9
حرفِ چند	پروفیسر آسارام شرما	11
پیش لفظ	پروفیسر شہاب عنایت ملک	13
مقدمہ	ڈاکٹر لیش پال شرما	15
صدارتی خطبہ	ڈاکٹر مشتاق عالم قادری	21
کلیدی خطبہ	ڈاکٹر عبدالرشید منہاس	24
کرشن چندر۔ایک مطالعہ کشمیر کے حوالے سے	پروفیسر اسداللہ وانی	28
کرشن چندر......مظاہر فطرت اور نا آسودہ ذہنوں کا عکّاس	ڈاکٹر مشتاق احمد وانی	40
کرشن چندر کے افسانوں میں پونچھ کی عکاسی	ڈاکٹر محمد اعظم	50
انسان دوست افسانہ نگار کرشن چندر	عرفان عارف	57
کرشن چندر کا ''پونچھ'' اور ایک نادر ''خط''	ڈاکٹر جاوید مغل	82
ترقی پسندی اور کرشن چندر	ڈاکٹر محمد مقیم انصاری	90
کرشن چندر کے نظریات وموضوعات	ڈاکٹر کوشل کرن ٹھاکر	97
کرشن چندر کی افسانہ نگاری	ڈاکٹر شمشیر سنگھ	105

KRISHAN CHANDAR KI AFSANA NIGARI
(AHMIYAT-O- AFADIYAT)

Dr. Yash Paul Sharma

GOVT. DEGREE COLLEGE FOR WOMEN, KATHUA (J&K)

₹ 200/-

ISBN : 978-93-83030-46-0

9 789383 030460

Ptd. At : New Style Jmu
Mob. : 99062-31310

ڈاکٹر کوشل کرن ٹھاکر
شعبۂ اُردو ایم اے ایم کالج
جموں

کرشن چندر کے نظریات و موضوعات

کرشن چندر اُردو ادب کے میدان میں ایک ایسا لائق احترام نام ہے جو رہتی دُنیا تک ذہنوں پر ہمیشہ چھایا رہے گا۔ ان کا نام پریم چند کے بعد پہلے تین بڑے افسانہ نگاروں میں آتا ہے۔ کرشن چندر کی اہمیت اور دین سے اردو کا کوئی سنجیدہ قاری انکار نہیں کرسکتا۔ اسی بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سید احتشام حسین ایک جگہ کچھ یوں فرماتے ہیں:۔

> ''فن اور وسیلۂ اظہار کی اہمیت اتنی ہی ہے جتنی مواد اور موضوع کی بلکہ اس میں تو ایسا جادو ہے کہ کبھی بھی یہ مواد کی سطحیت کا پردہ پوش بن جاتا ہے۔ اور زبان و بیان کے رسیا اسی کے چند گھونٹ پی کر مست ہو جاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ نہ تو تنہا اسلوب پر فن کی عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے نہ اس کو نظر انداز کر کے کرشن چندر افسانہ نویسی کے اس اہم ترین بھید سے نہ صرف واقف ہیں بلکہ اس کو برتنے پر قدرت رکھتے ہیں۔''

کرشن چندر مارکسی نظریات کے قائل تھے۔ انہوں نے اپنے ناولوں اور افسانوں میں انہیں نظریات کو پیش کیا ہے۔ جس وقت کرشن چندر نے ادبی میدان میں قدم رکھا اس وقت دُنیا میں ایک نیا انقلاب رونما ہو رہا تھا۔ انقلاب روس کے اثرات دوسرے ممالک پر بھی پڑنے لگے تھے۔

جنگ کی وجہ سے دُنیا کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی حالات بگڑتے جارہے تھے۔ دولت کی غلط تقسیم سے

طبقاتی کشمکش بڑھتی جارہی تھی محنت کش طبقے میں جاگیردارانہ نظام کی بربریت کی مخالفت زوروں پر تھی۔ کرشن چندر نے بھی اپنی تصانیف میں اشتراکیت اور سماجی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کچھ یوں لکھا ہے۔

"سماج بڑی بھاری طاقت ہے۔ سماج انسان کی اجتماعی عقل اور اجتماعی قوت کا دوسرا نام ہے۔ سماج سے انحراف کسی صورت میں اچھا نہیں ہے جو آدمی زندہ رہنا چاہتا ہے اُسے سماج کی بنائی ہوئی دیواروں کے اندر رہنا پڑتا ہے۔" (شکست، ص ۷٦)

کرشن چندر نے اپنی تخلیقات میں جن خاص موضوعات کو مدِنظر رکھا ہے۔ ان میں فرقہ وارانہ فسادات، انسان دوستی، جاگیردارانہ نظام کی بربریت، طبقاتی کشمکش، دبے کچلے طبقوں کی مظلومیت، عام عوام کے حقوق، عورت کی مظلومیت وغیرہ شامل ہیں۔

اس کے علاوہ کرشن چندر فطرت پر خاص انداز سے نگاہ ڈالتے ہیں یہ اچٹتی ہوئی نگاہ نہیں ہے بلکہ فطرت کو بدلنے پر قادر انسان کی نگاہ ہے۔ ترقی پسند ادب نے جہاں ایک طرف سماج اور ادب کو ایک دوسرے کے قریب لایا وہاں فن کار اور فطرت کے درمیان ایک نئے رشتے کی اساس ڈالی، ان کے ناولٹ، شکست کا مطالعہ کرتے وقت قاری خود کو ایک ایسے فن کار کو روبرو پاتا ہے جو صرف ایک سیدھا سادا قصہ گو نہیں ہے بلکہ ایک اسکیچ نگار ایک مصور ہے جو اپنے قلم کی طاقت سے فطرت کی ہو بہو تصویر کھینچ کر قاری کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔" مثلاً

"یکا یک آفتاب مغرب میں غروب ہوگیا اور حدِ نظر تک آنکھوں کے سامنے ایک خوب صورت وادی پھیلتی گئی۔ سورج کے ماہی گیر نے ان میں آخری بار اپنا سنہرا جال وادی کی گہرائیوں میں پھینکا اور نیلے جنگلوں سے ڈھکے ہوئے دور استادہ سلسلہ ہائے کوہ، دھان کے کھیت، ندی کا چمکیلا پانی لکڑی کے چھوٹے چھوٹے پل ناشپاتیوں کے جھنڈ، شفق کے زریں دام میں گرفتار نظر آئے۔ ہوا کے ہلکے ہلکے لطیف جھونکے بھی رک رک کر آتے تھے جیسے اس کا

میٹھا مدھم سانس بھی اسی جال میں الجھ کر رہ گیا ہو''۔

(شکست، باب اول، ص ۷)

کرشن چندر ہندوستان کی سماجی کشمکش سے پریشان نظر آتے ہیں وہ ملک میں ایک ایسی حکومت کی تشکیل کے متمنی ہیں جو عوام دوست ہو اور عوام کے لئے ہو جہاں نہ کوئی ظالم ہو اور نہ ہی کوئی مظلوم۔ان کے مطابق کسی بھی سماج میں انقلاب لانے کے لئے عوامی بیداری نہایت لازمی ہے۔کسی بھی سماج میں تب تک انقلاب نہیں لایا جا سکتا جب تک عام عوام کو ان کے حقوق اور فرائض سے روشناس نہ کرایا جائے اور جب تک انقلاب نہیں لایا جائے گا تب تک دنیا میں امن قائم کرنا مشکل ہے۔وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''میں نے کوئی گھر نہیں بنایا اور کسی کو بہت بڑا فیض نہیں پہنچایا اور کبھی بڑا آدمی نہ بن سکا۔کیوں کہ میں نے صرف خواب دیکھے ہیں وہ سب ادھورے خواب تھے۔ایک دن میں نے خواب دیکھا کہ اس دُنیا کے سب انسان برابر ہیں، وہ ایک جھوٹ سپنا تھا۔ایک دن میں نے خواب دیکھا کہ اس دُنیا میں کوئی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔وہ بھی ایک ایک جھوٹا سپنا تھا۔

ایک دن میں نے خواب دیکھا کہ اس کرۂ ارض پر سب انسان امیر ہو گئے ہیں۔یعنی سب نے مل کر ایک دوسرے کی غریبی آپس میں بانٹ لی ہے۔ لیکن یہی جھوٹے سپنے مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں۔

(کرشن چندر اور ان کے افسانے)

(''مضمون آئینہ خانے میں''، ص ۲۰)

یہی وجہ ہے کہ کرشن چندر نے ہمیشہ جنگ کی مخالفت کی ہے۔وہ انسان کے ہاتھ میں بندوق نہیں بلکہ پھول دیکھنا چاہتے ہیں۔جو امن وسکون کی علامت ہوتے ہیں۔وہ ایک ایسے سماج کے متمنی تھے جہاں ہر انسان صرف محبت کی زبان سمجھتا ہو۔

5/27/22
18:31

کرشن چندر نے اپنی تصانیف میں انسان دوستی کا پیغام دیا ہے۔ وہ پوری عالمی برادری کو ایک سوت میں بندھے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں۔ اپنی آخری سانس تک ان کے خیالوں میں وہ قدیم ہندوستان موجود رہا جو تمام فرقوں میں قومی یکجہتی قائم کیے ہوئے تھا۔ اسی سلسلے میں اپنی ماں کی شخصیت کی تصویر کچھ یوں کھینچتے ہیں:

''وہ قومی یکجہتی یا عالمی مساوات کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ اس نے آج تک کوئی اخبار نہیں پڑھا، ریڈیو نہیں سنا، سینما نہیں دیکھا۔ وہ ایک کٹر ہندو عورت ہے۔ جو مندر جاتی ہے۔ گوردوارے جاتی ہے۔ جب جی کا پاٹھ کرتی ہے۔ مسلم مزاروں پر نذر و نیاز دیتی ہے۔ اور یہ اُس کے خون میں ہے۔ وہ اس پرانے ان پڑھ، غیر منقسم ہندوستان کی اس بھولی بسری نسل سے ہے جس نے صدیوں کی کاوش سے ایک مشترک مخلوط ہندوستانی کلچر کو رواج دیا تھا جسے پڑھے لکھے لوگوں نے آکر آدھی صدی میں توڑ پھوڑ کر چکنا چور کر کے نفرت کی آگ میں جھونک دیا تھا۔'' (مٹی کے صنم، ص۔۱۵)

کرشن چندر ہمیشہ انسان دوستی، آپسی بھائی چارے اور دبے کچلے طبقے سے ہمدردی کی تلقین کرتے رہے ایک ایسا سماج جہاں پر امیر، غریب، ہندو، مسلمان، سکھ عیسائی، حکمراں یا محکوم کوئی نہ ہو صرف انسان بستے ہوں۔ اس سلسلے میں کرشن چندر کا ناول ''دل کی وادیاں سو گئیں۔'' ایک اہم مثال ہے۔ جس میں انہوں نے ایک ریل حادثہ کو موضوع بنایا ہے۔ ناول کے دیباچے میں وہ لکھتے ہیں۔

''میں کچھ ایسا چاہتا تھا کہ ریلوے ٹرین میں جو مختلف طبقوں کے افراد مختلف درجوں میں سفر کرتے ہیں انہیں ایک ایسے مقام پر لاکر پٹخ دیا جائے جہاں وہ اپنے طبقے کے بنیادی عادات و خصائل کو بے نقاب کرنے پر خود بخود مجبور ہو جائیں۔'' (دیباچہ ''دل کی وادیاں سو گئیں'')

ٹرین ایک حادثہ کا شکار ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے زیادہ لوگ زخمی ہو جاتے ہیں۔ وہ ٹرین سے اُتر کر زمین

پر بیٹھتے اور لیٹتے ہیں۔ یہاں پر امیر اور غریب کا کوئی فرق نہیں رہتا۔ بھوک مٹانے کے لئے راجکماری کو بھی روکھی روٹی سے پیٹ بھرنا پڑتا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''میں ہندو مسلمانوں کو تو کیا دنیا بھر کے انسانوں کو بھائی سمجھتا ہوں اور انہیں الگ دیکھنے کے بجائے ایک ساتھ مل جل کر امن و آشتی سے ایک دوسرے سے برتاؤ کرتے ہوئے ایک بہتر تہذیب ایک بہتر نظامِ زندگی کی تعمیر کرتے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

(شکست۔ص ۱۵۲)

جاگیردارانہ نظام اور طبقاتی کشمکش کرشن چندر کی تصانیف کا اہم موضوع رہا ہے۔ انہوں نے جب ادبی دنیا میں قدم رکھا تو سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے خلاف نفرت کا جذبہ ابھر رہا تھا۔ وہ مالک کے مقابلے میں مزدور اور کسان کے دوست نظر آتے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ عام عوام کی حمایت کی ہے۔ ایک اقتباس

''لیکن چندرا کا نظریہ یہ نہ تھا اسے گاؤں والوں مہاجنوں، سرکاری عہدیداروں، پنڈتوں کسی پر اعتبار نہ تھا سب ظالم تھے۔ چور، ڈاکٹو اچکّے بدنیت، انہوں نے زندگی بھر انہیں ستایا تھا اور آج وہ کس طرح انکے ہمدرد ہو سکتے تھے۔ ماں بیوقوف تھی جو آج ان لوگوں پر اعتبار کر رہی تھی جنہوں نے اس کی ساری مسرتوں کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا تھا جیسے بیل مکّی کے بھٹوں کو اپنے پاؤں تلے روند دیتے ہیں۔''

(شکست۔ص ۸۳)

اُردو ناول کی طرح افسانے کے ضمن میں بھی کرشن چندر کو ایک پیش رو کی حیثیت حاصل ہے۔ انہوں نے افسانوں کے ذریعے سماج کی فرسودگی، انجماد اور سنگاخی کیفیات کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا ہے۔ کرشن چندر سے قبل منشی پریم چند نے بھی انہیں موضوعات کو نہایت مہارت سے برتا تھا۔ سماج کے منفی پہلو کو اُجاگر کرنے میں ان کا

اہم رول ہے لیکن ان کے ہاں تیز اور پرُ جوش لہجے کے بجائے ایک دھیما پن نظر آتا ہے۔

افسانے کے میدان میں کرشن چندر کی حیثیت ایک ایسے باغی کی سی ہے جس نے سماجی قدروں، سیاسی مسائل اور تہذیبی رنگا رنگی پر ایک نئے طریقے سے روشنی ڈالی ہے جو قاری کے دل میں ایک انوکھی ہل چل پیدا کر دیتی ہے۔ اس دور میں دو عظیم جنگوں نے جہاں ایک طرف انسان کی بربریت سے نقاب اُٹھایا تھا وہیں دوسری طرف فرد کی انسان دوستی کا بھی ثبوت دیا تھا چنانچہ قاری ان کے افسانوں کا مطالعہ کرتے ہوئے خود کو ایک ایسے فن کار کے روبرو محسوس کرتا ہے۔ جو بار بار اُسے دعوت فکر دیتا رہتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

''مشینی دور میں ہر انسان روپیہ چاہتا ہے۔ سرمایہ داری نے اس کی زندگی کو تلخ، اس کے دل کو کمینہ، اس کی روح کو غلیظ بنا دیا ہے۔ لیکن خوبصورتی کی حِس ابھی مٹی نہیں ہے۔ وہ انسان کی کائنات کے کسی گوشے میں کسی زخمی کبوتر کی طرح ابھی بھی تڑپ رہی ہے۔ یہ لوگ اکثر حالتوں میں دو ہزار میل چل کر گلمرگ کی شفق دیکھنے آئے تھے۔ وہ شام کو شفق دیکھتے تھے اور میں ان کے چہروں کو دیکھتا تھا۔ وہی چہرے جو دن میں پژمردہ بھوکے اور خوفزدہ سے نظر آتے تھے اس وقت کسی انجان ان دیکھے نور کی تابانی سے چمکتے ہوئے معلوم ہوتے تھے وہ اس شفق کو ایسی گرسنہ نگاہوں سے دیکھتے جیسے بچے تصور میں اپنی پریوں کی شہزادی کے محل کو دیکھتے ہیں۔''

یہ نمونہ کرشن چندر کے افسانے ''بالکونی'' سے لیا گیا ہے جس میں انہوں نے انسانی جذبات کے نشیب و فراز کو پیش کرتے ہوئے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ سرمایہ داری ظالم سماج، ملوکیت پرستی اور دنیا کا ظالم سے ظالم نظام بھی انسان کی معصومیت اور انسانیت مٹا نہیں سکتا۔ میں انسانیت کے مستقبل سے ناامید نہیں ہوں۔

کرشن چندر کے افسانے ''ان داتا'' سے انسان دوستی کے مثال پیش کرتا ہوا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

''میں سیاست داں نہیں ہوں۔ ستار بجانے والا ہوں حاکم نہیں ہوں حکم

بجانے والا ہوں، لیکن شاید ایک نادار مغنّی کو بھی یہ پوچھنے کا حق ہے کہ اس نئی دنیا کی تعمیر میں ان لاکھوں کروڑوں، ننگے، بھوکے آدمیوں کا بھی ہاتھ ہوگا۔ جو اس دنیا میں بستے ہیں۔ یہ سوال اس لئے کرتا ہوں کہ میں بھی ان تین بڑے رہنماؤں کی دنیا میں رہنا چاہتا ہوں، مجھے بھی فسطائیت جنگ اور ظلم سے نفرت ہے۔ گو میں سیاست داں نہیں ہوں لیکن مغنی ہو کر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اداس نغمے سے اداسی ہی پیدا ہوتی ہے۔ جو نغمہ خود اداس ہے دوسروں کو بھی اداس کر دیتا ہے۔ جو آدمی خود غلام ہے دوسروں کو بھی غلام بنا دیتا ہے۔ دُنیا کا ہر چھٹا آدمی ہندوستانی ہے یہ غیر ممکن ہے کہ باقی پانچ آدمی کرب کی اس زنجیر کو نہ محسوس کرتے ہوں جو ان کی روحوں کو چیر کر نکل رہی ہے۔''

کرشن چندر کی تصانیف میں عورت کی مظلومیت، بھی ایک اہم موضوع کے طور پر ابھر کر سامنے آتی ہے۔ کرشن چندر عورت کو سماج میں بلند مقام پر دیکھنے کے متمنی ہیں، وہ اپنے ناولوں اور افسانوں کے ذریعے عورت کو اس کے مرتبہ کے لحاظ سے بلند مقام دلانے کے لئے ہمیشہ کوشاں دکھائی دیتے ہیں۔ اور ترقی پسندیت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ کہ سماج میں عورت اور مرد ایک ہی گاڑی کے دو پہیوں کی طرح ہیں، چاہے وہ شکست میں چندرا کا، کردار ہو یا ''ایک عورت ہزار دیوانے'' میں لاچی کا کردار ہو، سماج میں اپنی مظلومیت کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''قدرت نے اسے عورت بنایا تھا۔ اور ماحول اور اتفاق نے اسے خانہ بدوش بنا دیا تھا۔ اور یہ تینوں چیزیں ایسی ہی ہیں کہ کبھی انسان سے انصاف نہیں کرتیں، قدرت ماحول اور اتفاق ان تینوں چیزوں کے زبردست ہاتھوں سے انصاف چھیننا پڑتا ہے۔''

(ایک عورت ہزار دیوانے)

افسانہ ''کالو بھنگی'' سے چند سطور ملاحظہ فرمائیں کہ کس انداز ہ سے مصنف نے مظلوم طبقے کی ظالم غریبی کی تصویر پیش کی ہے جس میں ہڈیوں تک کو پگھلا دینے والا درد محسوس کیا جا سکتا ہے۔

> ''ہاں سات روپے، ہر مہینے ایک روپیہ بنئے کو دیتا ہوں، اس سے کپڑے سلوانے کے لئے روپے کرج لیتا ہوں نا۔ سال میں دو جوڑے تو چاہیں، کمبل تو میرے پاس ہے، خیر لیکن دو جوڑے تو ہونے چاہئیں صاحب، کہیں بڑے صاحب ایک روپیہ تنخواہ میں بڑھا دیں تو مجا آجائے!
>
> ''وہ کیسے''
>
> ''گھی لاؤں گا ایک روپے کا اور مکئی کے پراٹھے کھاؤں گا کبھی پراٹھے نہیں کھائے مالک۔ بڑا جی چاہتا ہے۔
>
> 'کالو بھنگی' ایک گرے پڑے، روکھے پھیکے، بے مزہ اور بے رنگ کردار کی کہانی ہے جس میں کرشن چندر نے مظلوم انسانیت کے حس کو اُجاگر کیا ہے۔

یہ مثالیں اس بات کو ظاہر کرتیں ہیں کہ کرشن چندر نے صنف افسانہ اور ناول کا استعمال محض قصہ گوئی کے لئے نہیں کیا ہے بلکہ ان کا سہارا لے کر وہ اپنی گہری سوچ کے نتائج ہم سب تک پہنچانے کی کامیاب کوشش کرتے ہیں۔

مختصراً کرشن چندر کے فن کے بہت سے پہلو ہیں انہوں نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اور تکنیک میں بھی طرح طرح کے تجربے کئے ہیں۔ انہوں نے ''ایک سوریلی تصویر' جیسا افسانہ بھی لکھا اور بغیر پلاٹ کی کہانی کا تجربہ بھی۔ ''غالیچہ'' جیسی کہانی لکھ کر کیا ''کالو بھنگی'' اور ''دو فرلانگ لمبی سڑک''، اور ناولٹ ''شکست'' اس پائے کی کہانیاں ہیں کہ اردو ادب کے سخت سے سخت انتخاب میں بھی جگہ بنالیں گی۔ ان کے علاوہ ''برہمپترا''، ''پانی کا درخت''، ''بت جاگتے ہیں''، ''پھول سرخ ہیں''، ''مہالکشمی کا پل''، ''ان داتا''، بھی ایسی کہانیاں ہیں جو آسانی سے بھلائی نہیں جا سکیں گی۔